QUARTERLY, PEER REVIEWED
al-amir
ISSN(P): 2790-931X ISSN(E): 2790-9328
E-Mail: editor.alamir@gmail.com

برصغیر میں معقولات ومنقولات کا امتزاج: علامہ عطا محمد بندیالوی کے تعلیمی وفکری مکتبِ فکر کا ایک مطالعہ

The Integration of Rational and Revealed Sciences in South Asia: An Analytical Study of the Educational and Intellectual Tradition of Allama Ata Muhammad Bandialv

Muhammad Hamid Raza
PhD Research Scholar, Imperial College of Business Studies,
Lahore. Email: hamidraza7002@gmail.com
Dr. atta ul Mustafa
Assistant Professor, MY university Islamabad.
Email: attaulmustafa4592@gmail.com

Abstract

The scholarly history of the Indo-Pak subcontinent in the 20th century is incomplete without the mention of Allama Ata Muhammad Bandyalvi. Known as "Imam al-Mantiqah" (The Master of Logic), his intellectual contributions bridged the gap between traditional theological studies and rational sciences. This first part of the research article provides a comprehensive biographical analysis of Allama Bandyalvi, tracing his lineage to the Awan Qutb Shahi tribe and ultimately to Hadrat Ali (RA). It meticulously documents his educational journey, from his early upbringing in the rural setting of Bandyal to his advanced studies under the luminaries of Lahore and his historic journey to Baghdad in 1948. A significant portion of this part is dedicated to his mastery over "Ma'qulat" (Rational Sciences), exploring how he utilized Aristotelian and Islamic logic to defend and interpret religious doctrines. By synthesizing data from primary biographical texts and personal interviews, this study highlights his teaching methodology and the establishment of the "Bandyalvi School of Thought." The article provides a critical evaluation of his pedagogical impact on modern Islamic scholarship, proving that his rational approach remains a vital tool in addressing contemporary intellectual challenges.

Keywords: Ata Muhammad Bandyalvi, Imam al-Mantiqah, Qutb Shahi Awan, Rational Sciences, Ma'qulat, Islamic Pedagogy.

مقدمہ

بیسویں صدی کا برصغیر پاک وہند علمی و فکری اعتبار سے ایک فیصلہ کن موڑ تھا۔ ایک طرف نو آبادیاتی نظام کے اثرات تھے اور دوسری طرف قدیم روایتی علمی ڈھانچہ اپنی بقا کی جنگ لڑ رہا تھا۔ ایسے میں علامہ عطا محمد بندیالوی جیسی شخصیات نے جنم لیا جنہوں نے علمِ دین کو محض رٹنے اور نقل کرنے تک محدود نہیں رکھا، بلکہ اسے عقل وبرہان کی جلا بخشی۔ علامہ بندیالوی کا علمی قد کاٹھ اس قدر بلند تھا کہ ان کے سامنے بڑے بڑے جغادری علماء زانوئے تلمذ طے کرنا باعثِ فخر سمجھتے تھے۔[1] ان کی شخصیت کا سب سے اہم پہلو "معقولات" (منطق و فلسفہ) میں ان کی وہ دسترس تھی جس نے انہیں "امام المناطقہ" کے منصب پر فائز کیا۔ زیرِ نظر

حصے میں ہم ان کی زندگی کے ابتدائی ادوار، ان کے خاندان کی علمی جڑوں اور ان کے اس تعلیمی سفر کا احاطہ کریں گے جس نے انہیں برصغیر کا "استاذ الکل" بنادیا۔[2]

نسبی وجاہت اور خاندانی پس منظر

علامہ عطامحمد بندیالوی کا تعلق اعوان برادری کے ایک معزز اور علمی گھرانے سے تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب 32 واسطوں سے قطب شاہی اعوان قبیلے کے جدِ اعلیٰ حضرت قطب شاہ تک پہنچتا ہے اور 83 واسطوں سے یہ شجرہ فاتح خیبر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے جاملتا ہے۔[3] اعوان قبیلہ برصغیر میں اپنی شجاعت اور علمی لگن کی وجہ سے مشہور رہا ہے۔ برصغیر میں حضرت علی (رض) کی وہ اولاد جو حضرت فاطمہ (رض) کے بطن سے نہیں، وہ علوی کہلاتی ہے اور یہی اولاد یہاں قطب شاہی اعوان کے لقب سے پہچانی جاتی ہے[4]۔ علامہ صاحب کے اجداد میں علم و زہد کی روایت نسل در نسل چلی آرہی تھی، جس نے آپ کی شخصیت کی تعمیر میں بنیادی بنیاد فراہم کی۔[5]

آپ کے والد گرامی ملک اللہ بخش ایک نہایت پارسا اور علم دوست انسان تھے۔ ان کی قلبی تمنا تھی کہ ان کے پانچوں بیٹے (ملک شیر محمد، ملک فتح محمد، ملک غلام محمد، ملک عطامحمد اور ملک علی محمد) حافظِ قرآن بنیں اور دین کی خدمت کریں[6]۔ اگرچہ تمام بھائیوں نے علم حاصل کیا، لیکن علامہ عطامحمد اور ان کے چھوٹے بھائی علامہ علی محمد بندیالوی نے علمِ دین کی ان بلندیوں کو چھوا جو بہت کم لوگوں کے حصے میں آتی ہیں۔ علامہ علی محمد نے بھی بعد میں حدیث کی تعلیم کے لیے بریلی شریف کا سفر کیا اور محدثِ اعظم پاکستان مولانا سردار احمد صاحب سے فیض پایا، تاہم ان کا جوانی میں ہی انتقال ہو گیا، جبکہ علامہ عطامحمد نے ایک طویل عمر تدریس اور تحقیق میں گزاری۔[7]

سنِ پیدائش اور مقامِ پیدائش کا تحقیقی جائزہ

علامہ بندیالوی کی پیدائش کے حوالے سے محققین کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض تذکرہ نگاروں نے آپ کا سنِ پیدائش 1918ء درج کیا ہے۔ تاہم، خود علامہ صاحب نے ایک انٹرویو کے دوران اپنی پیدائش 1916ء بتائی تھی، جسے ان کے قریبی اشخاص اور شاگردوں نے زیادہ معتبر قرار دیا ہے۔[8] آپ کی پیدائش ضلع خوشاب کی مشہور علمی بستی "دپرھاڑ" (ڈھوک دھمن) میں ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے نام کے ساتھ کبھی "بندیالوی" اور کبھی "دپرھاڑوی" لکھا جاتا ہے۔[9] بندیال کی نسبت آپ کے علمی مرکز کی وجہ سے ہوئی جو بعد میں پورے برصغیر میں "جامعہ مظہریہ امدادیہ" کے نام سے مشہور ہوا۔[10]

آپ کے القاب میں "امام المناطقہ" سب سے نمایاں ہے، جو آپ کی منطق دانی کی گواہی دیتا ہے۔ اس کے علاوہ آپ کو "ملک المدرسین"، "بحر العلوم"، اور "جامع المعقول والمنقول" جیسے القاب سے بھی نوازا گیا[11]۔ یہ القاب محض اعزازی نہیں تھے بلکہ آپ کی اس علمی ہیبت کا اعتراف تھے جو آپ کے معاصرین کے دلوں پر طاری تھی۔ آپ کے شاگردوں میں سے علامہ غلام رسول سعیدی جیسے بلند پایہ مفسر و شارح نے بھی اعتراف کیا کہ منطق کے ادق مسائل کو جس سہولت سے علامہ بندیالوی حل کرتے تھے، وہ کسی اور کا خاصہ نہ تھا۔

تعلیمی سفر اور جستجوئے علم

علامہ بندیالوی کا تعلیمی سفر اس دور کی روایتی سختیوں اور وسائل کی کمی کے باوجود ایک مثالی عزم کا نمونہ تھا۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ملک اللہ بخش سے حاصل کی اور تین سال کی مختصر مدت میں قرآن مجید حفظ کیا[12]۔ حفظِ قرآن کے بعد آپ نے فارسی کی

ابتدائی کتب "کریما" اور "نامِ حق" مولانا قاضی محمد بشیر سے پڑھیں۔ آپ کی علمی پیاس نے آپ کو 1933ء میں بندیال منتقل ہونے پر مجبور کیا، جہاں آپ نے مولانا یار محمد بندیالوی کی شاگردی اختیار کی۔ یہاں آپ نے سات سال تک قیام کیا اور صرف و نحو، فقہ، اصولِ فقہ، منطق اور حکمت کی بنیادی اور درمیانی کتب کا نہایت گہرائی سے مطالعہ کیا۔

بندیال کے بعد آپ لاہور تشریف لائے جو اس وقت پنجاب کا سب سے بڑا علمی مرکز بن چکا تھا۔ لاہور میں آپ نے "جامعہ فتحیہ" اچھرہ میں علامہ مہر محمد اچھروی کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیے۔ علامہ مہر محمد اپنے وقت کے بہت بڑے محقق تھے اور معقولات میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ آپ نے ان سے "مختصر المعانی"، "مطول"، "ملاحسن"، "قاضی مبارک"، "حمد اللہ"، اور "شرح اشارات" جیسی مشکل ترین کتب پڑھیں[13]۔ علامہ مہر محمد نے آپ کی استعداد دیکھ کر پیشن گوئی کی تھی کہ "میرے بعد عطا محمد ہی اس علمی روایت کا امین ہو گا"[14]۔ لاہور کے قیام کے دوران ہی آپ نے حدیث کی کتب "مشکوٰۃ شریف" اور "صحیح مسلم" بھی اپنے اسی جید استاد سے پڑھیں۔

بین الاقوامی علمی سفر: بغداد شریف کا سفر (1948ء)

علامہ بندیالوی کی علمی زندگی کا ایک اہم سنگِ میل 1948ء میں ان کا سفر بغداد ہے۔ قیامِ پاکستان کے فوراً بعد آپ پیر سید غلام محی الدین گیلانی (پیر آف گولڑہ شریف) کے ہمراہ عراق تشریف لے گئے۔[15] بغداد میں آپ کی ملاقات اس وقت کے جید عالم اور جامع حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کے خطیب علامہ عبد القادر آفندی سے ہوئی۔ علامہ آفندی آپ کی علمی بصیرت اور مسائل پر گرفت دیکھ کر ششدر رہ گئے۔

علامہ بندیالوی خود تحریر کرتے ہیں کہ انہوں نے علامہ عبد القادر آفندی کے سامنے صحاحِ ستہ (حدیث کی چھ معتبر کتب) کی پہلی اور آخری احادیث کی تلاوت کی اور ان سے باقاعدہ حدیث کی سند اور اجازت حاصل کی[16]۔ اس سفر نے آپ کے علمی افق کو وسعت دی اور آپ کو بین الاقوامی علمی حلقوں سے متعارف کروایا۔ بغداد سے واپسی پر آپ کی علمی شہرت میں مزید اضافہ ہوا اور لوگ دور دراز سے آپ کے پاس پیچیدہ مسائل کے حل کے لیے آنے لگے۔[17]

معقولات میں امامت: "امام المناطقہ" کا منصب

علامہ بندیالوی کی شخصیت کا طرۂ امتیاز منطق اور فلسفہ (معقولات) میں ان کی بے پناہ مہارت تھی۔ برصغیر میں عام طور پر علماء کا زیادہ رجحان منقولات (تفسیر و حدیث) کی طرف ہوتا تھا، لیکن علامہ بندیالوی نے یہ ثابت کیا کہ وحی کے حقائق کو سمجھنے کے لیے عقلِ سلیم اور منطق ناگزیر ہیں۔ آپ کا یہ ماننا تھا کہ جو طالب علم منطق نہیں جانتا، وہ دین کے باریک ابحاث میں ٹھوکر کھا سکتا ہے۔ آپ نے "مرقاۃ المنطق" پر جو تقریظ لکھی، وہ آج بھی طلبہ کے لیے مشعلِ راہ ہے۔[18]

آپ کے معاصرین کا کہنا ہے کہ آپ منطق کی کتب اس طرح پڑھاتے تھے جیسے کوئی ریاضی کا استاد حساب کے سوال حل کروا رہا ہو۔ آپ نے منطق و فلسفہ میں پانچ اماموں کی فہرست میں اپنا نام درج کروایا، جن میں ارسطو، فارابی، بو علی سینا اور علامہ فضل حق خیر آبادی شامل تھے۔ آپ کی تدریس میں ایسی برکت تھی کہ منطق کی جو کتب دوسرے اساتذہ سالوں میں ختم نہیں کر پاتے تھے، آپ انہیں مہینوں میں ازبر کروا دیتے تھے۔ آپ کا استدلال تھا کہ "عقل اور وحی میں تضاد ناممکن ہے، تضاد صرف ہماری فہم میں ہوتا ہے"۔[19]

نحوی اور صرفی باریک بیاں: ایک محققانہ انداز

علامہ بندیالوی نہ صرف منطق کے امام تھے بلکہ علمِ صرف و نحو (Arabic Grammar) میں بھی آپ کو وہ مقام حاصل تھا کہ آپ بڑے بڑے ائمہ کی آراء پر نقد کرتے تھے۔۔ آپ کے شاگرد علامہ عبد الحکیم شرف قادری نے جب "نحو میر" کی شرح لکھی اور اس میں بعض مقامات پر میر سید شریف جرجانی کی آراء پر اعتراض کیا، تو علامہ بندیالوی نے ایک مفصل خط کے ذریعے میر سید شریف کا دفاع کیا اور ثابت کیا کہ استاد کی رائے میں کوئی تسامح نہیں تھا۔[20]

آپ کا علمی اسلوب یہ تھا کہ آپ لفظ کی جڑ (Etymology) اور اس کے صیغے کی پوری تاریخ سامنے رکھ دیتے تھے۔ آپ نے "ملا جامی" اور "کافیہ" جیسی کتب کے وہ اسرار و رموز فاش کیے جو اس سے پہلے پوشیدہ تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ "عربی زبان کے قواعد کو سمجھے بغیر قرآن کی تفسیر کرنا اندھیرے میں تیر چلانے کے مترادف ہے"۔ آپ کی علمی بصیرت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ "شرح جامی" کے مشکل ترین ابواب پر گھنٹوں مسلسل گفتگو کر سکتے تھے۔[21]

تدریسی طریقہ کار اور شاگردوں کی تربیت

علامہ بندیالوی کا تدریسی طریقہ کار نہایت انوکھا اور مؤثر تھا۔ آپ محض کتاب خوانی نہیں کرواتے تھے بلکہ طالب علم کے ذہن میں سوال پیدا کرتے تھے اور پھر اسے عقلی دلائل سے حل کرنے کی طرف راغب کرتے تھے۔ آپ کی درسگاہ "جامعہ مظہریہ بندیال" ایک ایسی چھاؤنی کی مانند تھی جہاں سے علمی سپاہی تیار ہو کر نکلتے تھے۔ آپ نے نصف صدی سے زائد عرصہ تدریس میں گزارا اور ہزاروں ایسے شاگرد پیدا کیے جو آج پوری دنیا میں دین کی خدمت کر رہے ہیں۔

آپ کے نامور شاگردوں میں علامہ غلام رسول سعیدی (صاحبِ تبیان القرآن)، علامہ عبد الحکیم شرف قادری، مفتی گل احمد عتیقی، اور علامہ شرف الدین بندیالوی شامل ہیں۔۔ ان تمام اساطینِ علم نے اعتراف کیا کہ ان کی علمی بنیاد علامہ عطا محمد بندیالوی نے رکھی تھی۔ علامہ سعیدی لکھتے ہیں کہ "ہمیں حدیث و تفسیر کی باریکیاں سمجھنے کا ڈھنگ استاذ الکل علامہ بندیالوی نے سکھایا"[22]۔ آپ کی شفقت کا یہ عالم تھا کہ آپ کمزور طالب علموں پر خصوصی توجہ دیتے اور انہیں علمی مباحث میں شامل کرتے تاکہ ان کا اعتماد بحال ہو سکے۔

تفسیرِ قرآن میں علمی مقام

اگرچہ آپ کی شہرت معقولات میں زیادہ تھی، لیکن قرآن کی تفسیر میں آپ کا مطالعہ نہایت وسیع تھا۔ آپ خاص طور پر "تفسیر بیضاوی" کے درس میں شہرت رکھتے تھے۔[23] بیضاوی کی ادق ابحاث، جو لغوی اور منطقی باریکیوں سے پر ہیں، آپ کے نزدیک نہایت سہل تھیں۔ آپ نے تفسیر کے دوران یہ اصول واضح کیا کہ جب تک کسی آیت کے "شانِ نزول" اور اس کے "سیاق و سباق" کو نہ سمجھا جائے، اس سے استنباط کرنا خطرناک ہو سکتا ہے۔

آپ نے سورہ فاتحہ کی تفسیر کے دوران "تسمیہ" (بسم اللہ) کے قرآن کا حصہ ہونے یا نہ ہونے پر جو بحث کی، وہ آپ کی فقہی اور تفسیری گہرائی کا ثبوت ہے۔[24] آپ نے مختلف فقہی مذاہب کی آراء کو نقل کر کے ان میں ایسی مطابقت پیدا کی کہ قاری دنگ رہ جاتا۔ آپ کا تفسیری ذوق یہ تھا کہ آپ آیت کے ظاہری مفہوم کے ساتھ ساتھ اس کے باطنی اور حکیمانہ پہلوؤں کو بھی اجاگر کرتے تھے۔

تحریکِ پاکستان اور سیاسی شعور

علامہ بندیالوی محض ایک مدرس نہیں بلکہ ایک بیدار مغز سیاسی بصیرت رکھنے والے انسان تھے۔ آپ نے تحریکِ پاکستان کے دوران مسلم لیگ کا بھرپور ساتھ دیا[25]۔ اس وقت کے جاگیر دارانہ نظام اور یونینسٹ پارٹی کے اثر و رسوخ کے باوجود آپ نے ضلع سرگودھا اور خوشاب میں مسلم لیگ کا پیغام عام کیا۔ آپ نے بڑے واشگاف الفاظ میں اعلان کیا کہ "پاکستان کی بنیاد کلمہ طیبہ ہے اور اس کی مخالفت اسلام کی مخالفت ہے"۔[26]

1946ء کے انتخابات میں آپ نے حضرت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری کے فتوے کی بھرپور حمایت کی، جس میں کہا گیا تھا کہ جو شخص مسلم لیگ کو ووٹ نہیں دے گا، اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں ہونا چاہیے[27]۔ آپ نے واضح کیا کہ یہ فتویٰ محض سیاسی نہیں بلکہ نظریاتی ہے، کیونکہ ایک طرف اسلام ہے اور دوسری طرف ہندو نواز کانگریس۔ آپ نے اپنی پوری برادری (اعوان قبیلہ) کو مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر اکٹھا کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا۔

مذہبی و سیاسی تحریکوں میں کردار

قیامِ پاکستان کے بعد بھی آپ کی سیاسی جدوجہد ختم نہیں ہوئی۔ آپ نے 1953ء اور 1974ء کی تحریکِ ختمِ نبوت میں صفِ اول کا کردار ادا کیا۔ آپ قادیانیت کو اسلام کے خلاف ایک سیاسی سازش اور ارتدادی فتنہ سمجھتے تھے۔[28] آپ نے منطقی دلائل سے ثابت کیا کہ ختمِ نبوت پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص دائرہ اسلام میں نہیں رہ سکتا۔

اسی طرح 1977ء کی تحریکِ نظامِ مصطفیٰ میں بھی آپ نے فعال حصہ لیا۔ آپ کا مطالبہ تھا کہ پاکستان کے آئین کو مکمل طور پر قرآن و سنت کے مطابق ڈھالا جائے۔[29] آپ جمعیت علماء پاکستان (JUP) کے مرکزی نائب صدر اور مجلسِ شوریٰ کے چیئرمین بھی رہے۔ آپ کی سیاسی زندگی کا مقصد اقتدار کا حصول نہیں بلکہ دین کا غلبہ تھا، یہی وجہ ہے کہ آپ نے کبھی کوئی سرکاری عہدہ قبول نہیں کیا اور آخری دم تک ایک معلم کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔

فقہی بصیرت، اجتہادی تفردات اور معاصر سماجی مسائل

علامہ عطا محمد بندیالوی کی علمی شخصیت کا ایک نہایت وقیع پہلو ان کی فقہی بصیرت اور اجتہادی قوت تھی۔ آپ محض ایک لکیر کے فقیر مقلد نہیں تھے، بلکہ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے مکتبِ فکر سے وابستگی کے باوجود آپ کے ہاں دلائل کی بنیاد پر مسائل کو پرکھنے کا ایک آزادانہ ملکہ موجود تھا[30]۔ آپ کا فقہی منہج منقولی روایت اور عقلی برہان کے درمیان ایک پل کا درجہ رکھتا تھا۔ جہاں دیگر علماء جمود کا شکار ہو کر جدید مسائل سے آنکھیں چرا لیتے تھے، وہاں علامہ بندیالوی منطق اور فلسفے کے ہتھیاروں سے لیس ہو کر ان مسائل کا ایسا حل پیش کرتے تھے جو شریعت کی روح سے بھی ہم آہنگ ہوتا اور عقلِ سلیم کے تقاضوں پر بھی پورا اترتا۔[31] زیرِ نظر حصے میں ہم ان کے ان فقہی اور اجتہادی تفردات کا جائزہ لیں گے جنہوں نے علمی دنیا میں ایک نئی بحث کا آغاز کیا۔

ایمانِ ابو طالب: ایک محققانہ و جرات مندانہ موقف

تاریخِ اسلام میں جناب ابو طالب کے ایمان کا مسئلہ ہمیشہ سے علمی اور مسلکی بحثوں کا مرکز رہا ہے۔ اکثر علمائے اہل سنت ان کے ایمان کے حوالے سے "سکوت" یا "دعویٰ کفر" کی طرف مائل رہے ہیں، لیکن علامہ عطا محمد بندیالوی کا موقف اس معاملے میں نہایت واضح اور دلائل پر مبنی تھا۔[32] آپ کا استدلال یہ تھا کہ جناب ابو طالب نے نہ صرف زبان سے حضور ﷺ کی نبوت کی تصدیق کی بلکہ ان کے اشعار اور خطبات ان کے قلبی ایمان کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

علامہ بندیالوی نے یہاں منطقی اصول "دلالۃ النص" سے کام لیا ہے۔ ان کا ماننا تھا کہ ایمان محض کلمہ پڑھنے کا نام نہیں بلکہ دل سے سچائی کو تسلیم کرنے اور اس کی حمایت کرنے کا نام بھی ہے۔ حضرت ابو طالب کی پوری زندگی حضور ﷺ کے دفاع میں گزری، جو ان کے نزدیک ایمان کی عملی شہادت تھی۔ علامہ کا یہ موقف ثابت کرتا ہے کہ وہ کسی بھی مسئلے میں صرف روایتی رائے پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ اصل مآخذ اور قرائن کو دیکھ کر فیصلہ کرتے تھے۔[33]

سماع اور موسیقی: شرعی حدود اور صوفیانہ ذوق

مسئلہ سماع پر علامہ بندیالوی کی تحقیق ان کے اعتدال پسندانہ فکر کی عکاس ہے۔ انہوں نے "قوالی کا جواز" (قوالی کی شرعی حیثیت) کے نام سے ایک رسالہ تحریر کیا، جس میں انہوں نے سماع کے جواز اور عدم جواز کی باریک حدِ فاصل متعین کی[34]۔ ان کے نزدیک سماع بذاتِ خود حرام نہیں ہے، بلکہ اس کے ساتھ جڑے ہوئے "عارضی امور" (فحش کلام، آلاتِ لہو و لعب کا غلط استعمال) اسے ناجائز بناتے ہیں۔

آپ نے سماع کے جواز کے لیے دس نکات پیش کیے، جن میں بنیادی نکتہ یہ تھا کہ اگر سماع اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی یاد دلائے اور اس میں شرعی حدود کی پامالی نہ ہو، تو وہ جائز ہی نہیں بلکہ مستحسن ہے۔۔ آپ نے امام غزالیؒ اور دیگر اسلاف کے اقوال سے ثابت کیا کہ دلوں کی رقت کے لیے پاکیزہ کلام سننا روح کی غذا ہے۔

آپ لکھتے ہیں:

> "سماع ان لوگوں کے لیے ممنوع ہے جن کے دل دنیاوی شہوات میں غرق ہوں، لیکن جن کے دل اللہ کی محبت سے سرشار ہیں، ان کے لیے سماع ان کی روحانیت میں اضافے کا سبب بنتا ہے۔"[35]

علامہ کا یہ نکتہ نظر صوفیانہ روایات اور فقہی احکامات کے درمیان ایک بہترین تطبیق پیش کرتا ہے۔ موجودہ دور میں جہاں موسیقی کو کلی طور پر حرام یا کلی طور پر مباح قرار دینے کی دو انتہائیں موجود ہیں، علامہ کا یہ موقف ایک متوازن راستہ فراہم کرتا ہے۔

جدید سیاسی نظام اور جمہوری اقدار

علامہ بندیالوی کی سیاسی بصیرت اس وقت کھل کر سامنے آئی جب انہوں نے مغربی جمہوریت اور ووٹ کے نظام پر اپنی رائے کا اظہار کیا۔ روایتی حلقوں میں جمہوریت کو "کفری نظام" سمجھا جاتا تھا، لیکن علامہ نے اس کی ایسی تشریح کی جس نے اسے اسلامی اصولوں سے قریب کر دیا۔ آپ نے فرمایا کہ خلافتِ راشدہ میں "بیعت" دراصل عوام کی رائے معلوم کرنے کا طریقہ تھا، اور موجودہ دور میں "ووٹ" اسی بیعت کی ایک جدید اور ترقی یافتہ شکل ہے۔[36]

آپ کا موقف تھا کہ ووٹ ایک امانت ہے اور اس کا استعمال "شہادت" (گواہی) کے زمرے میں آتا ہے۔ آپ نے تحریکِ پاکستان کے دوران مسلم لیگ کا ساتھ اسی لیے دیا کیونکہ آپ کے نزدیک وہ مسلمانوں کی قومی بقا کی جنگ تھی۔ آپ نے فرمایا کہ "ووٹ کے ذریعے ہم اس قیادت کا انتخاب کرتے ہیں جو ہمارے نظریاتی مفادات کی محافظ ہو سکے۔"[37]

عورت کی حکمرانی اور منصبِ قضا

معاصر سماجی مسائل میں عورت کا ریاستی کردار ایک نہایت حساس موضوع رہا ہے۔ علامہ بندیالوی نے اس مسئلے پر بھی اپنی منفرد رائے دی۔ انہوں نے واضح کیا کہ اسلام میں "امامتِ عظمیٰ" (ریاست کا سربراہ جس کے پاس تمام اختیارات ہوں) کے لیے مرد ہونا شرط ہے، لیکن "وزارت" اور "قضا" (جج ہونا) ایسے شعبے ہیں جہاں عورت اپنی صلاحیتیں بروئے کار لا سکتی ہے۔
آپ کا یہ موقف آپ کے اپنے شاگرد علامہ غلام رسول سعیدی کے موقف سے مختلف تھا، جو عورت کی قضا کے قائل نہیں تھے[38]۔ علامہ بندیالوی نے فقہی اصولوں کی روشنی میں ثابت کیا کہ جن معاملات میں عورت کی گواہی قبول کی جا سکتی ہے، ان میں وہ فیصلہ (قضا) کرنے کا حق بھی رکھتی ہے۔

رویتِ ہلال (چاند کی رویت) کا مسئلہ

چاند کی رویت کے حوالے سے پاکستان میں ہمیشہ سے تنازع رہتا ہے۔ علامہ بندیالوی نے اس مسئلے پر اپنی کتاب "مہرِ انوار" میں نہایت ٹھوس موقف اپنایا۔ آپ کے نزدیک چاند کی رویت کے لیے محض سائنسی حساب کتاب یا ریڈیو کا اعلان کافی نہیں، بلکہ جب تک شرعی شہادت (کم از کم دو عادل گواہ) میسر نہ ہو، روزہ رکھنے یا عید منانے کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔[39]
آپ نے "اتفاقِ مطالع" اور "اختلافِ مطالع" کے پیچیدہ فقہی مسائل کو نہایت سادہ اور منطقی انداز میں حل کیا۔ آپ کا کہنا تھا کہ شریعت نے عبادت کا تعلق "مشاہدے" سے رکھا ہے، لہٰذا ہمیں ریڈیو یا ٹی وی کے اعلانات کے پیچھے بھاگنے کے بجائے مقامی سطح پر شہادتوں کو ترجیح دینی چاہیے۔ ان کا یہ موقف اجتہادی لحاظ سے نہایت مضبوط تھا کیونکہ انہوں نے جدید ٹیکنالوجی کو شہادتِ شرعیہ کا متبادل تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔[40]

وقتِ افطار میں احتیاط: ایک عملی نمونہ

علامہ بندیالوی اپنے تقویٰ اور شرعی احکامات میں احتیاط کے لیے بھی مشہور تھے۔ آپ وقتِ افطار میں عام لوگوں کے مقابلے میں چار سے پانچ منٹ کی احتیاط فرماتے تھے۔[41] آپ کا استدلال یہ تھا کہ روزہ اللہ کی امانت ہے، اور جب تک سورج کے غروب ہونے کا یقینی علم نہ ہو جائے، افطار کرنا خطرے سے خالی نہیں۔
ایک مرتبہ گولڑہ شریف میں پیر سید غلام محی الدین گیلانی نے آپ کی اس احتیاط پر سوال اٹھایا کہ "جب اذان ہو گئی تو افطار کیوں نہیں کیا؟" جس پر علامہ نے نہایت ادب سے جواب دیا کہ "وضو اور نماز میں جب ائمہ کا اختلاف ہو تو ہم احتیاط پر عمل کرتے ہیں، تو روزے کے معاملے میں احتیاط کیوں نہ کی جائے؟" اس پر پیر صاحب خاموش ہو گئے اور آپ کے تقویٰ کی داد دی[42]۔ یہ واقعہ ظاہر کرتا ہے کہ علامہ صاحب کے نزدیک علم محض زبانی جمع خرچ نہیں تھا بلکہ وہ اس پر سختی سے عامل بھی تھے۔

عقیدہ ختمِ نبوت اور الحادی فتنوں کا استیصال

علامہ بندیالوی نے اپنی پوری زندگی عقیدہ ختمِ نبوت کے تحفظ کے لیے وقف کیے رکھی۔ آپ قادیانیت کو محض ایک مذہبی فرقہ نہیں بلکہ ایک سیاسی فتنہ اور اسلام کی بنیادوں پر حملہ اور ارتداد تصور کرتے تھے[43]۔ آپ نے منطقی دلائل سے ثابت کیا کہ حضرت محمد ﷺ کے بعد کسی بھی قسم کی نبوت کا دعویٰ کرنا عقل اور نقل دونوں کے خلاف ہے۔
آپ نے 1974ء میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوانے کی مہم میں اہم کردار ادا کیا۔ آپ کا موقف تھا کہ "ختمِ نبوت" وہ مرکزی نکتہ ہے جس پر پوری امت کا اتحاد منحصر ہے۔ آپ نے سوشل میڈیا یا اس دور کے جرائد میں چھپنے والے اعتراضات کا علمی

جواب دے کر نوجوانوں کے ایمان کی حفاظت کی۔ آپ کے فتاویٰ میں ارتداد اور اس کی سزا کے حوالے سے جو بحثیں موجود ہیں، وہ آج کے دور کے الحادی حملوں کا بہترین جواب فراہم کرتی ہیں۔

علامہ عطا محمد بندیالوی کا فقہی اور اجتہادی سفر یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ روایت کے پاسبان بھی تھے اور جدیدیت کے نبض شناس بھی۔ انہوں نے ایمانِ ابو طالب، سماع، اور عورت کی حکمرانی جیسے حساس مسائل پر جو آراء دیں، وہ ان کی علمی جرات اور منطقی گہرائی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ ان کا منہج "تطبیق (Reconciliation)" تھا، یعنی وہ قدیم فقہی ورثے کو اس طرح پیش کرتے تھے کہ وہ جدید دور کے انسان کے لیے بھی قابلِ عمل ہو جائے۔ ان کے نزدیک فقہ ایک جامد علم نہیں بلکہ ایک زندہ جاوید حقیقت ہے جو ہر دور کے مسائل کا حل پیش کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

مدرسے سے ریاست تک کا سفر

علامہ عطا محمد بندیالوی کی شخصیت کا ایک منفرد پہلو یہ تھا کہ وہ محض ایک گوشہ نشین مدرس نہیں تھے بلکہ انہوں نے عملی طور پر ملکی قانون سازی اور ریاستی نظم و نسق کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لیے بھرپور کردار ادا کیا۔ جب 1991ء میں آپ کو اسلامی نظریاتی کونسل کا رکن مقرر کیا گیا، تو کونسل کے دیگر ارکان، جو کہ جدید قانون یا روایتی فقہ کے ماہر تھے، آپ کی منطقی استدلال کی قوت دیکھ کر حیران رہ گئے[44]۔ آپ نے ثابت کیا کہ منطق اور فلسفہ محض نظریاتی بحثیں نہیں ہیں بلکہ انہیں جدید ریاستی قوانین کی تشکیلِ نو کے لیے بطورِ آلہ استعمال کیا جا سکتا ہے۔[45] زیرِ نظر حصے میں ہم ان کی کونسل میں خدمات اور ان کے فقہی و قانونی استدلال کا تفصیلی جائزہ لیں گے۔

اسلامی نظریاتی کونسل میں تقرری اور علمی رعب

علامہ بندیالوی کی تقرری صدرِ پاکستان کی جانب سے ان کی علمی شہرت اور "امام المناطقہ" ہونے کی بنیاد پر کی گئی۔ کونسل کے اجلاسوں میں آپ کی شرکت محض رسمی نہیں ہوتی تھی بلکہ آپ ہر مسئلے کا گہرائی سے مطالعہ کر کے تشریف لاتے اور کتبِ کثیرہ کے حوالے جات زبانی پیش کرتے۔۔ کونسل کے ایک رکن ڈاکٹر عبد الواحد جے ہالے پوتہ نے ایک مرتبہ آپ کی فقہی مہارت کو دیکھ کر برملا اعتراف کیا تھا کہ "ہم تو آپ کو صرف ایک منطقی سمجھتے تھے، مگر آپ تو فقہ میں امام اعظم ابو حنیفہؒ کے حقیقی جانشین معلوم ہوتے ہیں۔"۔ یہ اعتراف اس بات کی دلیل ہے کہ علامہ صاحب نے معقولات کو منقولات کے فہم کا ذریعہ بنایا تھا، جس کی وجہ سے ان کا استدلال دوسروں کے مقابلے میں زیادہ جاندار اور ناقابلِ تردید ہوتا تھا۔[46]

اسٹامپ ایکٹ کی شرعی حیثیت اور منطقی توجیہ

اسلامی نظریاتی کونسل میں "اسٹامپ ایکٹ 1899ء" کی شرعی حیثیت پر ایک طویل بحث چلی[47]۔ بعض ارکان کا خیال تھا کہ چونکہ قرآن مجید نے لین دین کو محض تحریر کرنے کا حکم دیا ہے، لہٰذا حکومت کا اسٹامپ ڈیوٹی وصول کرنا شریعت کے خلاف ہے۔ علامہ بندیالوی نے اس مسئلے پر نہایت عالمانہ اور منطقی موقف اپنایا۔ انہوں نے واضح کیا کہ اسٹامپ پیپر پر لین دین کو تحریر کرنا بذاتِ خود شریعت کے خلاف نہیں بلکہ یہ انتظامی سہولت اور دستاویز کی توثیق کا ایک ذریعہ ہے۔[48]

سالانہ رپورٹ میں ہے:

> "قرآن کریم نے لین دین کو ضبطِ تحریر میں لانے کا حکم دیا ہے تاکہ نزاع سے بچا جا سکے۔ اسٹامپ ایکٹ اسی قرآنی حکم کی ایک تنظیمی شکل ہے۔ حکومت کا انتظامی امور

کے اخراجات پورے کرنے کے لیے معمولی ڈیوٹی وصول کرنا جائز ہے، کیونکہ زکوۃ اور عشر کے مصارف متعین ہیں اور ریاستی ڈھانچے کو چلانے کے لیے دیگر ذرائع کی ضرورت ہوتی ہے۔"[49]

اس اقتباس سے علامہ بندیالوی کی ریاستی اور انتظامی بصیرت کا پتہ چلتا ہے۔ انہوں نے ثابت کیا کہ اسلام ایک عملی دین ہے جو ریاست کو اپنے شہریوں کی سہولت کے لیے قوانین وضع کرنے کی اجازت دیتا ہے، بشرطیکہ وہ شریعت کے بنیادی اصولوں سے متصادم نہ ہوں۔

خواتین کی گواہی اور حدود و قصاص کا مسئلہ

اسلامی نظریاتی کونسل میں حدودِ الٰہی بالخصوص زنا، قذف اور سرقہ کی سزاؤں میں عورتوں کی گواہی پر تفصیلی بحث ہوئی۔[50] علامہ بندیالوی نے ائمہ اربعہ بالخصوص امام ابو حنیفہؒ کے موقف کی روشنی میں یہ ثابت کیا کہ حدود و قصاص میں صرف مردوں کی گواہی ہی نصِ قطعی سے ثابت ہے۔ آپ نے "وسمبطِ اامیٰ رِ سیمیح" کے حوالے سے بحث کی کہ شہادت کی تین قسمیں ہیں اور زنا کے ثبوت کے لیے چار مردوں کی گواہی ناگزیر ہے۔

آپ کا استدلال یہ تھا کہ حدود کی سزائیں "شبہات" سے ساقط ہو جاتی ہیں اور عورتوں کی گواہی میں طبعی طور پر سہو یا نسیان کا احتمال مردوں کی نسبت زیادہ ہو سکتا ہے، اس لیے شریعت نے احتیاطاً یہاں صرف مردوں کی گواہی کو معیار بنایا ہے۔ تاہم، انہوں نے یہ بھی واضح کیا کہ مالی معاملات اور دیگر انتظامی امور میں عورتوں کی گواہی قبول کی جائے گی، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کا موقف صنف کی توہین پر نہیں بلکہ "احتیاطِ شرعی" پر مبنی تھا۔

غیر مطبوعہ علمی ذخیرہ اور قلمی خدمات

علامہ عطا محمد بندیالوی نے اگرچہ اپنی زندگی کا بیشتر حصہ تدریس میں گزارا، لیکن ان کی علمی نگارشات کا ایک بڑا حصہ فتاویٰ اور مقالات کی صورت میں موجود ہے[51]۔ آپ کے فتاویٰ میں منطقی استدلال اس قدر حاوی ہوتا تھا کہ مخالف کے لیے رد کی گنجائش نہیں رہتی تھی۔ آپ نے "رؤتی اہنل یٰ" پر جو کتاب "مہرِ انوار" لکھی، وہ اجتہادی بصیرت کا شاہکار ہے۔ اس میں آپ نے ریڈیو اور جدید ٹیکنالوجی کی شہادت کو شرعی شہادت کا متبادل ماننے سے انکار کر کے "مشاہدے" کی اہمیت کو اجاگر کیا۔

آپ کے غیر مطبوعہ کاموں میں مختلف ادق کتب پر حواشی اور علمی رسائل شامل ہیں، جنہیں ان کے صاحبزادے اور تلامذہ نے بعد میں مرتب کیا۔ ان تحریروں میں "ایمانِ ابو طالب" پر ان کی تحقیق اور "سماع" کے جواز پر ان کا رسالہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہے، جو ان کی علمی جرات اور تحقیق کے وسیع افق کی عکاسی کرتا ہے۔[52]

تلامذہ کا علمی فیض: ایک عالمگیر سلسلہ

علامہ بندیالوی کی سب سے بڑی "تصنیف" ان کے وہ شاگرد ہیں جنہوں نے پوری دنیا میں علم کی شمع روشن کی۔ برصغیر کا شاید ہی کوئی جید عالم ایسا ہو جس نے بلاواسطہ یا بالواسطہ آپ سے فیض نہ پایا ہو۔ آپ کے شاگردوں میں علامہ غلام رسول سعیدی سرِ فہرست ہیں، جنہوں نے "تبیان القرآن" اور "شرح صحیح مسلم" جیسی عظیم کتب لکھ کر اپنے استاد کا نام روشن کیا۔ علامہ سعیدی نے اپنی تفسیر میں بیسیوں جگہ اپنے استاد کے منطقی استدلال کو نقل کیا ہے اور اعتراف کیا ہے کہ "میرے علمی سفر کی بنیاد استاذ الکل نے رکھی۔"

دیگر نامور شاگردوں میں علامہ عبد الحکیم شرف قادری، مفتی گل احمد عتیقی، علامہ مہر محمد بندیالوی اور پیر سید محی الدین محبوب شامل ہیں۔ یہ تلامذہ اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ علامہ صاحب نے صرف کتابیں نہیں پڑھائیں بلکہ "علمی منہج" منتقل کیا۔ آپ کی شفقت کا یہ عالم تھا کہ آپ اپنے شاگردوں کو علمی اختلاف کی بھی حوصلہ افزائی کرتے تھے، بشرطیکہ وہ دلیل پر مبنی ہو۔

آخری ایام اور وصال:

علامہ عطا محمد بندیالوی نے ایک طویل اور بھرپور علمی زندگی گزاری۔ آپ کی وفات 1999ء میں ہوئی اور آپ کو بندیال (ضلع خوشاب) کے قبرستان میں سپردِ خاک کیا گیا۔ آپ کی وفات سے برصغیر ایک ایسے عالم سے محروم ہو گیا جو قدیم و جدید کا حسین سنگم تھا۔ آپ کے جنازے میں ملک بھر سے ہزاروں علماء، مشائخ اور عوام نے شرکت کی، جو ان کی عالمگیر مقبولیت کا منہ بولتا ثبوت تھا۔[53]

خلاصہ:

زیرِ نظر مقالے میں علامہ عطا محمد بندیالوی کی علمی و فکری زندگی کا جامع احاطہ کیا گیا ہے۔ تحقیق سے یہ بات ثابت ہوئی کہ علامہ بندیالوی محض ایک روایتی عالم نہیں تھے بلکہ وہ "معقولات" کے ذریعے شریعت کے دفاع کے علمبردار تھے۔ ان کے نسبی تعلق سے لے کر ان کے سفر بغداد تک، ہر مرحلہ ان کی علمی پیاس اور جستجو کی گواہی دیتا ہے۔ اسلامی نظریاتی کونسل میں ان کی خدمات، اسٹامپ ایکٹ پر ان کی عالمانہ رائے اور خواتین کے ریاستی کردار پر ان کی متوازن فکر، یہ تمام عوامل ثابت کرتے ہیں کہ وہ ایک "مجتہدانہ بصیرت" رکھنے والی شخصیت تھے۔۔ ان کا اصل کمال یہ تھا کہ انہوں نے منطق کو فلسفیانہ بحثوں سے نکال کر فقہ اور قانون سازی کا خادم بنایا۔ ان کے تلامذہ، بالخصوص علامہ غلام رسول سعیدی کی صورت میں ان کا علمی فیض آج بھی پوری دنیا کو منور کر رہا ہے۔ خلاصہ یہ کہ علامہ بندیالوی کا فکر عصرِ حاضر کے فکری انتشار، بالخصوص سوشل میڈیا پر اٹھنے والے الحادی اور لبرل اعتراضات کے جواب کے لیے ایک بہترین علمی بنیاد فراہم کرتا ہے۔

تجاویز (Recommendations)

1. علامہ بندیالوی کے نام پر ایک بین الاقوامی ریسرچ سینٹر قائم کیا جائے جو ان کے منطقی منہج پر جدید مسائل (مثلاً آرٹیفیشل انٹیلیجنس اور ڈیجیٹل کرنسی) کا شرعی حل تلاش کرے۔
2. ان کے قلمی نسخوں، فتاویٰ اور کونسل کی رپورٹس میں دی گئی آراء کو ایک "انسائیکلوپیڈیا" کی صورت میں مرتب کر کے شائع کیا جائے تاکہ قانون ساز ادارے ان سے فائدہ اٹھا سکیں۔
3. جامعات کے شعبہ علومِ اسلامیہ میں "منطقِ بندیالوی" کو بطورِ نصاب شامل کیا جائے تاکہ طلبہ میں استدلال کی قوت پیدا ہو سکے۔
4. علامہ صاحب کے دروس اور ان کے تلامذہ کے بیانات کو ڈیجیٹلائز کیا جائے تاکہ سوشل میڈیا پر موجود الحادی اشکالات کا علمی رد ان کے فکر کی روشنی میں کیا جا سکے۔
5. ان کے اعتدال پسند فکر (جیسے سماع اور ایمانِ ابو طالب) کو بین المذاہب اور بین المسالک ہم آہنگی کے لیے بطورِ ماڈل استعمال کیا جائے۔

Refrences:

[1]- Nazar Husain Chishti, Zikr-e ʿAṭā fī Ḥayāt Ustādh al-ʿUlamāʾ. n.p., n.d., 11.

[2]- ʿAṭā Muḥammad Bandiyālwī, Maqālāt-i Bandiyālwī (Khushaab: Ustaz-ul-Ulama Academy, 2023AD), vol. 1, 105.

[3]- Muḥammad Sarwar Khān Awan, Tārīkh-i Awan, 31.

[4]- Muḥammad Sarwar Khān Awan, Tārīkh-i Awan, 31.

[5]- Naẓar Ḥusain Chishtī, Zikr-i ʿAṭā fī Ḥayāt Ustādh al-ʿUlamāʾ, 12.

[6]-Ibid., 35.

[7]- ʿAbd al-Ḥakīm Sharaf Qādirī, Kishwar-i Tadrīs ke Tājdār, 17.

[8]- Maḥbūb Rasūl Qādirī, Ustādh al-ʿUlamāʾ, 681.

[9ʿ]-Aṭā Muḥammad Bandiyālwī, Maqālāt, 1:432.

[10]-Ibid., 36.

[11]- Ghulām Rasūl Saʿīdī, Ḥayāt-i Ustādh al-ʿUlamāʾ, 15.

[12]- Naẓar Ḥusain Chishtī, Zikr-i ʿAṭā fī Ḥayāt Ustādh al-ʿUlamāʾ, 35.

[13]-Ibid., 35.

[14]- Maḥbūb Rasūl Qādirī, Ustādh al-ʿUlamāʾ, 949.

[15]- ʿAṭā Muḥammad Bandiyālwī, Safar Nāmah-yi Baghdād, 161.

[16]- ʿAṭā Muḥammad Bandiyālwī, Maqālāt, vol. 1, 11.

[17]- Ghulām Rasūl Saʿīdī, Ḥayāt-i Ustādh al-ʿUlamāʾ, 16.

[18]- Naẓar Ḥusain Chishtī, Zikr-i ʿAṭā fī Ḥayāt Ustādh al-ʿUlamāʾ, 431.

[19]- ʿAṭā Muḥammad Bandiyālwī, Maqālāt, vol. 1, 105.

[20]- Naẓar Ḥusain Chishtī, Zikr-i ʿAṭā fī Ḥayāt Ustādh al-ʿUlamāʾ, 532.

[21]- Maḥbūb Rasūl Qādirī, Ustādh al-ʿUlamāʾ, 91.

[22]- Ghulām Rasūl Saʿīdī, Tibyān al-Qurʾān, vol. 8, 664.

[23]- Maḥbūb Rasūl Qādirī, Ustādh al-ʿUlamāʾ, 91.

[24]-Chishtī, Naẓar Ḥusain. Zikr-i ʿAṭā fī Ḥayāt Ustādh al-ʿUlamāʾ, 561.

[25]-Saʿīdī, Ghulām Rasūl. Ḥayāt-i Ustādh al-ʿUlamāʾ, 15.

[26]-Qādirī, ʿAbd al-Ḥakīm Sharaf. Kishwar-i Tadrīs ke Tājdār, 579.

[27]-Jāmiʿah Niẓāmiyyah. Interview with ʿAllāmah Bandiyālwī, 189.

[28]- ʿAṭā Muḥammad Bandiyālwī, Fatāwā Bandiyālwī, 16.

[29]-Chishtī, Naẓar Ḥusain. Zikr-i ʿAṭā fī Ḥayāt Ustādh al-ʿUlamāʾ, 11.

[30] - Chishtī, Naẓar Ḥusain. Zikr-i ʿAṭā fī Ḥayāt Ustādh al-ʿUlamāʾ, 11.

[31]- ʿAṭā Muḥammad Bandiyālwī, Maqālāt-i Bandiyālwī, vol. 2, 223.

[32]- ʿAṭā Muḥammad Bandiyālwī, Maqālāt-i Bandiyālwī, vol. 2, 223.

[33]-Saʿīdī, Ghulām Rasūl. Ḥayāt-i Ustādh al-ʿUlamāʾ, 16.

[34]- ʿAṭā Muḥammad Bandiyālwī, Maqālāt, vol. 1, 432.

[35]- ʿAṭā Muḥammad Bandiyālwī, Maqālāt, 832.

[36]- ʿAṭā Muḥammad Bandiyālwī, Maqālāt-i Bandiyālwī, vol. 2, 34.

[37]-Qādirī, ʿAbd al-Ḥakīm Sharaf. Kishwar-i Tadrīs ke Tājdār, 579.

[38]- Ghulām Rasūl Saʿīdī, Tibyān al-Qurʾān, vol. 8, 665.

[39]- ʿAṭā Muḥammad Bandiyālwī, Mehr-i Anwār, 713.

[40]- ʿAṭā Muḥammad Bandiyālwī, Maqālāt-i Bandiyālwī, vol. 2, 12.

[41]- Naẓar Ḥusain Chishtī Zikr-i ʿAṭā fī Ḥayāt Ustādh al-ʿUlamāʾ, 331.

[42]-Ibid., 331.

[43]- ʿAṭā Muḥammad Bandiyālwī, Fatāwā Bandiyālwī, 16.

[44]- Sayyid Afzal Ḥaidar, Islāmī Naẓariyātī Council, 177.

[45]- Naẓar Ḥusain Chishtī, Zikr-i ʿAṭā fī Ḥayāt Ustādh al-ʿUlamāʾ, 65.

[46]- Ghulām Rasūl Saʿīdī, Tibyān al-Qurʾān, vol. 8, 664.

[47]-Sālanah Report Islāmī Naẓariyātī Council 1990–91, 113.

[48]- ʿAṭā Muḥammad Bandiyālwī, Maqālāt-i Bandiyālwī, vol. 1, 105.

[49]-Sālanah Report Islāmī Naẓariyātī Council 1990–91, 114.

[50]-Sālanah Report Islāmī Naẓariyātī Council 1990–91, 111.

[51]- ʿAṭā Muḥammad Bandiyālwī, Maqālāt-i Bandiyālwī, vol. 2, 865.

[52]- ʿAṭā Muḥammad Bandiyālwī, Maqālāt, vol. 1, 832.

[53]- Ghulām Rasūl Saʿīdī, Ḥayāt-i Ustādh al-ʿUlamāʾ, 76.

مصادر و مراجع

1. اعوان، محمد سرور خان۔ تاریخ اعوان۔ لاہور: الفیصل ناشران و تاجرانِ کتب، 2005۔
2. بندیالوی، عطا محمد۔ مقالاتِ بندیالوی) جلد اول و دوم(۔ مرتب: ڈاکٹر ابوالخیر زبیر۔ دیبر آباد: رکن الاسلام پبلیکیشنز، 1995۔
3. بندیالوی، عطا محمد۔ مہر انوار: در تحقیق صوم وافطار۔ بندیال: مکتبہ مظہریہ، 1985۔
4. بندیالوی، عطا محمد۔ سفر نامہ بغداد۔ خوشاب: استاذ العلماء اکیڈمی، 1990۔
5. بندیالوی، عطا محمد۔ فتاویٰ بندیالوی (قلمی نسخہ)۔ کتب خانہ جامعہ مظہریہ بندیال
6. چشتی، نذر حسین۔ ذکرِ عطائی حیات استاذ العلماء۔ خوشاب: استاذ العلماء اکیڈمی، 1992۔
7. حیدر، سید افضل۔ اسلامی نظریاتی کونسل: ارتقائی سفر اور کارکردگی۔ اسلام آباد: دوست پبلیکیشنز، 2002۔
8. رگدکی، شاہ نسیم۔ تجلیاتِ مہرِ انور۔ گولڑہ شریف: مکتبہ مہریہ، 1988۔
9. سعیدی، غلام رسول۔ حیاتِ استاذ العلماء۔ لاہور: دارالاسلام، 1998۔
10. سعیدی، غلام رسول۔ تبیان القرآن ۔ لاہور: فرید بک اسٹال، 2001۔
11. قادری، عبدالحکیم شرف۔ کشورِ تدریس کے تاجدار۔ لاہور: مکتبہ قادریہ، 1994۔
12. قادری، محبوب رسول۔ استاذ العلماء۔ جوہر آباد: بزمِ انوارِ رضا، 1990۔
13. کونسل، اسلامی نظریاتی۔ سالانہ رپورٹ 1990-91۔ اسلام آباد: حکومتِ پاکستان، 1991۔
14. جامعہ نظامیہ۔ انٹرویو العلامہ بندیالوی۔ لاہور: المیزان، 1996۔
15. ماہنامہ جامِ نور۔ ستمبر 2004۔ دہلی: نور پبلیکیشنز۔
16. بخاری، محمد بن اسماعیل۔ صحیح بخاری۔ بیروت: دار طوق النجاۃ، 1422ھ۔
17. ترمذی، محمد بن عیسیٰ۔ سنن الترمذی۔ بیروت: دار الغرب الاسلامی، 1998۔
18. طبری، محمد بن جریر۔ جامع البیان عن تاویل آی القرآن۔ بیروت: دار ہجر، 2001۔
19. مسلم، ابن الحجاج۔ صحیح مسلم۔ بیروت: دار احیاء التراث العربی، 1972۔
20. ابنِ قیم، محمد بن ابی بکر۔ اعلام الموقعین عن رب العالمین۔ بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1991۔
21. سیوطی، جلال الدین۔ الاتقان فی علوم القرآن۔ بیروت: دار الفکر، 1996۔
22. زبیدی، مرتضیٰ۔ تاج العروس۔ کویت: دار الہدایۃ، 1980۔
23. سرخسی، شمس الدین۔ المبسوط۔ قاہرہ: مطبعۃ السعادۃ، 1324ھ۔
24. جرجانی، میر سید شریف۔ شرح المواقف۔ بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1998۔
25. آفندی، عبدالقادر۔ الاجازۃ العلمیۃ (قلمی سند)۔ بغداد، 1948۔